عصری عائلی مسائل اور اسلامی تعلیمات

ڈاکٹر شاہدہ پروین*

عائلی زندگی سب انسانی رشتوں کا باعث آغاز ہے۔ اس کائنات کی آبادی اور رونق انسان کے دم سے ہے اور انسان ایک مرد اور ایک عورت پر مشتمل ایک چھوٹے خاندان کے اجتماع کے نتیجہ میں کائنات کا حصہ بنتا ہے۔ خاوند اور بیوی عائلی زندگی کے دو اہم فریق ہیں جن کی رفاقت اور محبت نہ صرف ان کے لیے باعثِ اطمینان بلکہ نئی نسلوں کی جائے پناہ بھی ہے۔ عائلی زندگی شادی سے وجود میں آتی ہے۔ انسان فطری طور پر محبت کا طلبگار رہے شادی اس کی اس طلب کی تکمیل کا قانونی اور مذہبی جواز ہے۔ ''شادی کا ادارہ ہر قوم اور ملک میں موجود رہا اور ہزاروں سال پر مشتمل انسانی تجربہ بتاتا ہے کہ بنی نوع انسان کی بھلائی اور فلاح اسی ادارے کی مرہونِ منت ہے اور آزاد محبتیں غیر ذمہ دار، خود غرض اور جذبات کے غلام انسان پیدا کرتی ہیں'' (۱) اللہ رب العزت نے انسان کو کائنات میں بے شمار نعمتوں سے نوازا۔ اور یہ نعمتیں جغرافیائی، حیاتیاتی، نفسیاتی اور جسمانی ہیں گھر ان تمام نعمتوں کے اجتماع کا نام ہے۔ انسان خواہ مغرب کا باسی ہو یا مشرق کا باشندہ اسے گھر کو جانے والے سارے رستے اچھے لگتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اسے ارضی نعمتوں میں سے ایک نعمت قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً﴾ (۲)

''اور یہ اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے بیویاں بنائیں تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو۔ اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کی۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ﴿وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ بُیُوْتِکُمْ سَکَنًا﴾ (۳) ''اور اللہ نے گھر تمہارے لیے باعث سکون بنائے۔ تشکیل خاندان ہی معاشرے کی بقا کا ضامن ہے۔'' اسلام اس کی تشکیل کی ترغیب دلاتا ہے اور اس کے جائز اور ضروری بندھن نکاح پر بہت زور دیتا ہے۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں ''اور تم میں سے جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو اور تمہارے غلام اور لونڈیوں میں سے بھی جو اس قابل ہوں'' (۴) عائلی زندگی کو مطمئن آسودہ اور خوشحال بنانے کے لیے ضروری قرار دیا کہ سنِ شعور کو پہنچنے پر بچوں کو ازدواجی بندھن میں باندھ دیا جائے اور ان کے اذن اور ذاتی پسند کا بھی خیال رکھا جائے۔ عائلی زندگی محبت اور سکون کے بغیر ارض قاحلہ کی مانند ہے جس میں نہ سبزہ ہوتا ہے نہ پانی یا وحشت سے بھرے صحرا کی مانند ہے جس میں نہ کوئی دوست ہوتا ہے نہ راہنما۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نہ صرف ازدواجی زندگی کی ترغیب دیتا ہے بلکہ وہ تمام ضروری اقدامات کرتا ہے جو حقیقی خوشی کے ضامن ہوں۔ جبراً شادی کی ممانعت کرتا

* لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور، پاکستان۔

ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی بریرہ نے آزادی ملنے کے بعد اپنے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے سابقہ شوہر سے علیحدگی اختیار کر لی۔ مغیثؓ کی بے قراری کو دیکھتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارش کی لیکن حضرت بریرہؓ نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں (۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ حضرت بریرہؓ کو مجبور کیا اور نہ علیحدگی اختیار کرنے پر سرزنش فرمائی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام عائلی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے ہر طرح کے جبر کا قلع قمع کرتا ہے۔اور کسی انسان کو اس کی فطرت اور خواہش کے برعکس زندگی گزارنے پر مجبور نہیں کرتا۔

عائلی زندگی کی اہمیت کے پیشِ نظر میاں بیوی کے درمیان بگاڑ پیدا کرنے والے کو امت سے خارج قرار دیتے ہوئے فرمایا''لیس منا من خبب امراۃ علیٰ زوجھا''(۶)''وہ ہم میں سے نہیں جس نے بیوی کے دل میں میاں کے لیے نفرت پیدا کی۔''

عائلی اصلاح کی اہمیت:

ازدواجی اصلاح کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی۔حدیث مبارکہ ہے''جھوٹا وہ نہیں جو لوگوں کے درمیان اصلاح کرائے اور بہتر بات بہتری کی نیت سے کہے امام ابن شہابؒ نے کہا کہ''میں نے نہیں سنا کہ کسی جھوٹ میں رخصت دی گئی ہو مگر تین موقعوں پر ایک تو لڑائی میں، دوسرے لوگوں میں اصلاح کرانے کے لیے اور تیسرے میاں بیوی کے درمیان صلح کے لیے''(۷)۔

خوبصورت ازدواجی زندگی میں اختلاف کا امکان موجود رہتا ہے۔بعض جوڑے ان اختلافات، رنجشوں اور شکر رنجیوں کو نپٹانا نہیں جانتے یہی وجہ ہے کہ معمولی اختلاف بڑھتے بڑھتے میدانِ جنگ کا روپ دھار لیتا ہے۔عائلی اختلافات گھر کی فضا کو مکدر کر دیتے ہیں اور وہ پرسکون فضا جو بچوں کی تعمیر و تشکیل میں انتہائی اہم کردار ادا کرتی ہے ناپید ہو جاتی ہے۔اگر افراد کی زندگی گھر میں پرسکون ہوگی تو وہ معاشرے میں سکون بانٹنے کے قابل بن سکیں اور اگر یہ مرکز سکون و محبت سے تہی ہو جائے تو فرد کی زندگی محرومیوں، ناکامیوں، تشنگی اور نفرت سے بھر جاتی ہے۔یہی فرد جب معاشرے میں نکلتا ہے تو امن و آشتی تقسیم کرنے کے بجائے نفرتیں بانٹتا ہے اور یہ نفرتیں بڑھتے بڑھتے آکاس بیل کی مانند معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں اور یہ بات تو طے شدہ ہے کہ محبت ہو یا نفرت تقسیم کا عمل اس میں اضافہ کرتا ہے۔

ہر قوم کی تعمیر و ترقی اور خوشحالی میں عائلی حالات بڑا اہم اور بنیادی کردار ادا کرتے ہیں''وہ قوم ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتی ہے جس کے افراد عائلی الجھنوں میں گرفتار ہوں۔عائلی حالات افراد کو متاثر کرتے ہیں۔افراد سے گھر، گھر سے خاندان اور خاندان سے قبیلے بنتے ہیں اور اسی بنا پر تمدن کی بنیاد استوار ہوتی ہے۔عائلی مسائل اس قدر نازک ہوتے ہیں کہ اکثر و بیشتر انہیں حل کرنے میں انسانی عقل جواب دے جاتی ہے۔اگر وہ کسی ایک مشکل کا حل نکالتی ہے تو دوسری طرف کئی مشکلات کھڑی ہو جاتی ہیں۔اسی لیے قرآن کریم نے جو پوری نوع انسانی کے لیے زندگی کے ہر شعبہ میں صلاح و

فلاح کا دلنواز پیغام لے کر آیا تھا۔ ان مسائل کو محض انسانی اجتہاد کے بھروسہ پر نہیں چھوڑا۔ اس کی بجائے قرآن کریم نے عائلی مسائل کے بارے میں بڑی وسیع اور واضح ہدایات دی ہیں اور اپنی عام عادت کے خلاف عائلی مسائل کے ایک ایک جزئیہ کو خوب کھول کھول کر بیان کیا ہے تاکہ ان مسائل میں کوئی الجھن اور کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہے'' (۸) قرآن میں بیان کردہ احکام کا ایک تہائی عائلی معاملات کے سلجھاؤ سے متعلقہ ہے۔ عائلی حالات کو خوشگوار بنانے کے لیے ذمہ داریوں کا تعین کیا ''مرد کو قوام کا درجہ عطا کیا'' (۹) بیرون خانہ ذمہ داریاں اس کے کندھے پر ڈالیں اور گھریلو امور عورت کی ذمہ داری قرار دیئے۔ عورت کے لیے مرد کی اطاعت اور خوشنودی کو لازم قرار دیا۔ عائلی زندگی میں عورت کے کردار اور مقام کی اہمیت کے پیشِ نظر اسلام نے عورت کے حقوق بڑی وضاحت سے بیان کیے۔ عورت کو سماجی و معاشرتی مرتبہ، معاشی حقوق اور سیاسی تشخص عطا کیا۔ عائلی زندگی میں مرد اور عورت کے خوبصورت تعلق کو لباس کے استعارہ سے واضح کرتے ہوئے فرمایا: ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (۱۰)۔

عصرِ حاضر میں عائلی مسائل نے سب معاشروں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ مغرب کی اباحیت پسندی، ذمہ داریوں سے گریز Free sex کے نظریہ اور عورت کی ملازمت نے گھروں کو ویران کر دیا ہے۔ تو مشرق روایت پسندی، رسوم ورواج کی پیروی سے عائلی زندگی کے بخیئے ادھیڑ رہا ہے۔ مغرب میں ادارۂ خاندان بری طرح تباہ ہو چکا ہے انسانوں کا ایک جمِ غفیر، محبت سے محروم، مشینی زندگی کا عادی، نرسری کا پروردہ اور بڑھاپے میں اولڈ ہومز کا منتظر ہے۔ اہلِ مغرب اپنے کل بجٹ کا ۴۰٪ ذہنی صحت پر خرچ کر دیتے ہیں۔ امریکا اور برطانیہ میں سب سے زیادہ جس ذہنی بیماری پر رقم خرچ ہوتی ہے وہ شیزوفرینیا ہے۔ یہ وہ بیماری ہے جو خراب خاندانی حالت کی وجہ سے رونما ہوتی ہے۔ ہیلری کلنٹن کے بقول ۵ لاکھ بچے جنہیں حقیقی والدین کی جدائی نے عائلی چھت سے محروم کر دیا ہے اس بات کے منتظر ہیں کہ کوئی گود ان کی پناہ گاہ بن جائے۔ اب مشرق بھی اس ڈگر میں پیچھے نہیں رہا۔ مسلم مفکرین بھی عائلی شکست وریخت کی تیز رفتاری پر انگشت بدنداں ہیں فائز حسن سیال لکھتے ہیں ''۱۹۹۸ء میں ایک تحقیق کی گئی ہے جس سے پتا چلا کہ ۹۰ فیصد لوگ اپنی شادی سے ناخوش ہیں اور ان میں اکثریت مصیبت زدہ اور مایوس ہے یہ نوے فیصد لوگ جو اپنی شادی سے مطمئن نہیں تھے اگر ان کے پاس انتخاب کی آزادی یعنی اگر ان کے پاس جدائی کے بعد پیش آنے والے مسائل کا کوئی سماجی طور پر قابل عمل حل ہوتا تو وہ ایک دوسرے کو چھوڑنے پر تیار تھے'' (۱۱) ان مسائل سے افراد کی زندگیاں خشک اور بے رنگ ہو جاتی ہیں اس لیے ان مسائل کا حل ہونا انتہائی ضروری ہے۔ اگرچہ ان مسائل کو مکمل ختم کرنا ناممکن ہے تاہم ان کا کم ہونا معاشرے کی صحت سلامتی اور تمدن کے بقا کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ عصرِ حاضر میں عائلی مسائل نہ صرف مغربی معاشروں میں بڑھ چکے ہیں بلکہ مشرقی معاشرہ بھی ان مسائل کے روز افزوں اضافہ سے دوچار ہے۔ اس موضوع پر تحقیقی کام سے میں نے درج ذیل نتائج

اخذ کیے ہیں۔

عائلی مسائل کا معاشرے پر قبیح اثر:

عائلی تعلق کی خرابی کا اثر پورے معاشرے پر پڑتا ہے۔ معاشرہ کا ''حال'' ہی خراب نہیں ہوتا بلکہ ''مستقبل'' بھی داؤ پر لگ جاتا ہے۔ عائلی طور پر پریشان افراد معاشرے کا مفید رکن نہیں بن سکتے۔ ان کی پراگندہ خیالی انہیں آسودہ نہیں ہونے دیتی اور یہ غیر مطمئن افراد دیگر افراد کے لیے پریشانی کا باعث بنتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عائلی زندگی سکون واطمینان کا باعث ہوتی ہے۔ یہ زندگی کو مقصدیت اور سوچ کو منزل عطا کرتی ہے۔ جلال الدین عمری اسی حقیقت کی نشاندھی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''اگر مرد عورت کے سماجی و معاشرتی رشتوں میں عدم توازن اور جنسی تعلقات میں بے اعتدالی ہو تو معاشرہ زوال اور انحطاط کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔ کیونکہ سماجی رشتوں میں توازن نہ ہونے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اجتماعی زندگی کے بعض گوشے خالی اور ویران ہونے لگتے ہیں اور بعض گوشوں پر ضرورت سے زیادہ قوت صرف ہو جاتی ہے اور یہ دونوں ہی باتیں معاشرہ کے لیے تباہ کن ہوتی ہیں'' (۱۲)۔

عصرِ حاضر میں جن ممالک نے ان فطری روحانی سکون کے اسباب (عائلی زندگی) کے بارے میں غیر متوازن رویہ اپنایا تو اعداد وشمار نے ثابت کر دیا کہ روحانی سکون میاں بیوی اور بچوں کی پرسکون رفاقت میں پوشیدہ ہے اور یہ ساتھ اور تعلق انسان کو روحانی خلاؤں میں گم ہونے سے بچا لیتا ہے۔ روحانی تشنگی کی بنا پر نا آسودہ انسان کو دیکھ کر الکسیس کارل پکار اٹھتا ہے ''ہمیں اس انسان کی تخلیق نو کرنا ہوگی جس کو جدید زندگی اور موضوعی مقابلوں نے نکما بنا دیا ہے۔ دونوں صنفوں کی تجدید بھی از سر نو ہوگی۔ شخصیت سازی کے کام کے لیے ہمیں موجود اسکول، کارخانے اور دفاتر ختم کرنے ہوں گے'' (۱۳)۔

خراب عائلی حالات کے پروردہ بچے معاشرے کے لیے قوت اور توانائی بننے کی بجائے ایک خطرہ بن کر سامنے آتے ہیں۔ نہ صرف ان کی اخلاقی، روحانی اور جسمانی تعمیر نامکمل رہتی ہے بلکہ وہ تمام معاشرتی مراحل اور روابط میں سدراہ بن جاتے ہیں۔ کیونکہ معاشرہ انہیں گھرانوں سے مل کر بنتا ہے۔ جیسے عمارت کی ہر اینٹ اور دیگ کا ہر چاول اہمیت رکھتا ہے اسی طرح ہر گھرانہ معاشرے کا بنیادی ستون ہوتا ہے۔ رچرڈ آئر لکھتے ہیں ''عورت اور مرد، بیوی اور خاوند پھر ماں اور باپ اور پھر بچوں کی پیدائش، نشوونما اور پرورش یہ سب ایک گھرانے کے تکمیلی مراحل ہیں۔ زندگی کے یہ مراحل نہایت اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر بچوں میں آگے بڑھنے کا حوصلہ نہیں ہے اور وہ اچھی روایات کے امین بن کر زندگی گزارنا نہیں چاہتے تو وہ اپنی بالغ عمری میں ہی خوشگوار یادوں، اچھی عادات اور اعلیٰ اقدار سے محروم ہو سکتے ہیں حالانکہ یہ سب امور معاشرے میں انسانی بقا کے لیے ضروری ہیں'' (۱۴) متوازن کردار گھر کی چار دیواری میں بنتا ہے بشرطیکہ گھر میں سکون ہو

اور یہ سکون افرادِ خانہ کے باہم پیار اور محبت سے حاصل ہوتا ہے۔ مغرب میں عائلی ادارہ کی شکست وریخت نے نسلِ انسانی کو جذبات کی خانہ بدوشی کے سفر پر ڈال کر انسانیت کو ہی نسل کا تحفہ دیا ہے جو گلی گلی بازار بازار سکون کی تلاش میں بے سکون نظر آتے ہیں ''مغربی ممالک کے گھرانوں نے اولاد کو کھلی چھٹی دے کر ان پر جنسی جنوں طاری کر دیا ہے۔ اس کے نتیجے میں اولاد نے جنسی لذت پرستی کو مطمع نظر بنا لیا ہے ان میں حیوانی جذبہ تو ہوتا ہے انسانی جذبات نہیں ہوتے'' (۱۵) ''ہمارے پاس اس وقت گزشتہ تیس چالیس برس کے اعداد وشمار موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو بچے دو والدین کے گھر رہ رہے ہوتے ہیں، انہیں منشیات کی لت لاحق ہونے کا خطرہ بہت کم ہوتا ہے۔ یہ بچیاں کم سنی میں ہی حاملہ نہیں ہوتیں اور یہ بچے سکول سے بھی نہیں بھاگتے خودکشی کی طرف کم توجہ دیتے ہیں۔ اور ان کو دیگر مسائل بھی کم پیش آتے ہیں۔ اعداد وشمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں اچھے طالبِ علم بننے کا بہتر موقع مل جاتا ہے اور انہیں معاشرے میں ہم آہنگی ہونے کے علاوہ خوش رہنے کے مواقع بھی میسر آتے ہیں USA-Today کی اشاعت اکتوبر ۱۹۹۳ء میں کامیاب، خوشحال بالغ افراد کی خوشحالی کی وجوہات اور اثرات کے جائزے میں ان بچوں کی معاشی حالت، مذہبی حالت اور دیگر درجنوں عناصر کا بھی تجزیہ کیا گیا ان کی کامیابی کی صرف ایک مشترک وجہ سامنے آئی کہ یہ بچے باقاعدگی سے کھانے کی میز پر اپنے والدین کے ساتھ کھانا کھاتے تھے'' (۱۶)۔

صدر جمی کارٹر نے اپنی کتاب "Our Endangered values" میں لکھا ہے ''ہمارے ہاں طلاق اب خطرناک حد تک عام ہو چکی ہے۔ تمام امریکی بالغوں میں سے پچیس فیصد میں کم از کم ایک مرتبہ طلاق ہو چکی ہے۔ یورپ اور کینیڈا کے مقابلے میں امریکہ کے اندر جنسی بے راہ روی بہت زیادہ ہے۔ امریکہ میں اسقاطِ حمل بھی زیادہ ہوتا ہے۔ سوزاک اور ایڈز جیسی خطرناک بیماریوں کی شرح بھی زیادہ ہے'' (۱۷)۔

موجودہ امریکی صدر بارک اوباما عائلی مسائل کے برے اثرات کا تجزیہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں ''امریکی معاشرے میں ہونے والی 60 فیصد طلاقوں میں بچوں کا مسئلہ بھی موجود ہوتا ہے جبکہ ۳۵ فیصد بچے باقاعدہ ازدواجی تعلقات کے بغیر ہی جنم لیتے ہیں۔ ۳۴ فیصد بچے ایسے بھی ہیں جو اپنے حقیقی والدین کے ہمراہ نہیں رہتے۔ بچوں کی ۳۰ فیصد تعداد حقیقی والدین کے مابین طلاق کے نتیجے میں والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ گھر میں رہنے پر مجبور ہے۔ طلاق اور علیحدگی کے رجحانات ہمارے بچوں کی زندگی کے لیے خوشگوار ثابت نہیں ہوئے۔ بہت سی تنہا مائیں جن میں میری والدہ بھی شامل ہیں اپنے بچوں کی پرورش اور پرداخت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتیں۔ لیکن اس کے باوجود حقیقت یہی ہے کہ وہ بچے جو اپنی تنہا ماں کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں وہ ان بچوں کی نسبت پانچ گنا زائد غربت وافلاس کی بھٹی سے گزرتے ہیں جو اپنے حقیقی والدین کے ہمراہ رہتے ہیں۔ شواہد سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ اوسطاً وہ بچے جو اصل ماں باپ کے ساتھ

رہتے ہیں ان بچوں کی بہ نسبت بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں جو سوتیلے والدین کے ہمراہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ان حقائق اور واقعات کی روشنی میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ایسی پالیسیاں تشکیل دی جائیں جو شادی اور ازدواجی زندگی کے ادارے کو مضبوط اور مستحکم بنائیں''(۱۸)۔

عائلی مسائل میں روز افزوں اضافہ:

عصرِ حاضر میں عائلی مسائل میں روز افزوں اضافہ کا عمل جاری ہے۔مغرب ہو یا مشرق عائلی زندگی کو غیر مطمئن کیفیت کا سامنا ہے۔مغرب کی بے پناہ تسخیر و ترقی کا قصر اپنی بنیادیں کھو چکا ہے مرد اور عورت کا تعلق غیر متوازن صورت اختیار کرتا جا رہا ہے گھر عورت کے بغیر بے آباد اور ویران ہیں۔مغرب نے اپنے تمدن کی بنیاد مرد و عورت کی مساوات، عورت کے معاشی استقلال، مرد وزن کا آزادانہ اختلاط اور عورت کے قانونی تحفظ پر رکھی۔مگر یہ بھی اک حقیقت ہے کہ گھر جو تمدن کی بنیاد ہے بکھر کر رہ گیا ہے اور خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔اگر چہ عورت کو قانونی تحفظ حاصل ہے مگر اس کے باوجود خواتین کا مردوں کے ہاتھوں پٹنا، طلاق کی کثرت، جنسی تشدد، فواحش کی کثرت، شہوانیت اور بے حیائی کا فروغ، نکاح سے اجتناب اور بلا نکاح ساتھ رہنے کا رجحان، نسل کشی اور فواحش تحدید آبادی نئی نسل کی بے راہ روی، جسمانی قوتوں کا انحطاط، ذہنی و نفسیاتی امراض کا اضافہ جیسے مسائل مغرب میں روز بروز بڑھ رہے ہیں۔طلاق بازی بڑی تیزی سے عام ہوتی جا رہی ہے۔سپین میں ۲۰ ویں صدی کے آخری دہے کے شروع سے طلاق کی شرح ۸ شادیوں میں سے ایک تک بڑھ گئی ہے صرف ۲۵ سال پہلے ۱۰۰ میں سے ایک تھی۔رپورٹ کے مطابق یورپ میں طلاق کی بلند ترین شرح برطانیہ میں ہے ۱۰ میں سے ۴ شادیوں کے ناکام ہونے کی توقع کی جاتی ہے۔والدین میں سے ایک پر مشتمل خاندانوں کی تعداد میں اضافہ اچانک سامنے آیا ہے۔۱۹۹۰ء کے دہے نے تمام جرمن گھرانوں کے ۳۵ فیصد کو ایک فرد پر مشتمل اور ۳۱ فیصد کو صرف دو پر مشتمل دیکھا۔فرانسیسی بھی اکثر کم شادیاں کرتے ہیں اور جو شادیاں کرتے بھی ہیں پہلے کی نسبت اور زیادہ جلدی طلاق دیتے ہیں۔لوگوں کی بڑھتی ہوئی تعداد شادی کی ذمہ داریوں کے بغیر اکٹھے رہنے کو ترجیح دیتی ہے اس طرح کے رجحانات تمام دنیا میں دکھائی دیتے ہیں (۱۹) ۱۹۹۳ء میں امریکی حکومت کی جانب سے کیے گئے ایک سروے کے مطابق ایک سال میں امریکہ میں کل ۱۴ لاکھ ۱۲ ہزار شادیاں قانونی طور پر منعقد ہوئیں۔۳ ماہ بعد ہی ان میں سے ۲ لاکھ ۹۵ ہزار کا انجام طلاق پر ہوا۔اسی طرح تقریباً ۲۱ فیصد شادیاں ناکام ہوئیں۔۷۵ فیصد شادی شدہ مرد اور خواتین اپنے شریک حیات کے ساتھ بے وفائی کے مرتکب ہوتے ہیں۔جوان شادیوں کی ناکامی کی وجہ بن جاتی ہے''(۲۰)۔

صرف مغرب ہی مادر پدر آزادی اور عائلی نظام کی تباہی سے دوچار نہیں ہوا بلکہ مشرق بھی اس کے مضر اثرات سے محفوظ نہ رہ سکا۔گزشتہ چند صدیوں میں استعماری پنجہ نے عالم اسلام کی اکثریت کو جکڑ لیا اور اپنے نظریات سے امتِ

مسلمہ کی سماجی و معاشرتی زندگی کو متاثر کیا۔ پچھلی صدی میں اکثر اسلامی ممالک نے آزادی حاصل کر لی لیکن یہ حقیقی آزادی نہ تھی۔ برطانیہ، جرمنی، فرانس اور اس کے بعد امریکہ و روس کے اثرات نے عالمِ اسلام کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ اور مسلمانوں کو آزاد ہونے کے باوجود بھی کسی نہ کسی مغربی ملک کا دستِ نگر رہنا پڑا کیونکہ برسوں کی غلامی نے ان کی فکر اور مالیات کو اس قابل ہی نہ رہنے دیا کہ آزادانہ سوچ کے مالک رہتے۔ سستی، مداہنت اور دین سے دوری کی بنا پر مسلمان حقیقی اسلامی تعلیمات سے دور ہوتے چلے گئے اور مغربی استعمار کی نئی صورت Global media اپنے دائرہ کار کو وسیع کرتی چلی گئی۔ مغربی افراد اور افواج تو واپس چلی گئیں لیکن مغربی افکار امتِ مسلمہ کے گھروں کو متاثر کرنے لگے۔ فواحش و منکرات کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے ڈش، کیبل اور انٹرنیٹ کی صورت میں مسلم عائلی قصر کی بنیادوں کو ہلانا شروع کر دیا۔ اسباب رزق و وسائل معیشت کی تلاش میں مسلمانوں کی کثیر تعداد مغربی معاشروں کا رخ کرنے لگی اگر وہ اپنے وطن واپس آئے تو مغربی اطوار کا اثر ساتھ واپس آیا اگر وہاں آباد ہو گئے تو بھی عائلی محل بیرونی اثرات سے پوری طرح محفوظ نہ رہ سکا۔ مسلم معاشرے بھی عائلی نظام کی خستگی سے دوچار ہو رہے ہیں۔ محبت و رحمت اور مودت کی کمی، جھگڑوں کی کثرت اور طلاق کا بڑھتا ہوا تناسب اس بات کی نشاندہی کرتا ہے۔ گزشتہ چند سالوں سے مملکتِ سعودی عرب میں بھی طلاق کی شرح 20٪ تک پہنچ چکی ہے روزانہ ۳۳ سعودی خواتین طلاق کے مسئلے سے دوچار ہوتی ہیں اس ضمن میں جو اعداد و شمار دستیاب ہوئے ہیں ان کے مطابق ۶۵ فیصد طلاق یافتہ خواتین کی عمر ۱۸ سے ۳۵ سال کے درمیان ہوتی ہے۔ ۴۳ فیصد طلاقیں شادی کے ابتدائی تین سال کے دوران دی جاتی ہیں۔ طلاق دینے والے ۷۵ فیصد شوہروں نے بعد میں یہ اعتراف کیا کہ انہوں نے جلد بازی میں فیصلہ کیا تھا'' (۲۱)۔ پاکستان میں عائلی صورت حال بھی سنگین مسائل سے دوچار ہے روزنامہ خبریں کے مطابق ''ماہ رواں کے ۲۳ دنوں میں ۱۶۹ خواتین نے فیملی عدالتوں میں الگ الگ تنسیخ نکاح، حق مہر، نان و نفقہ، جہیز کے سامان کی واپسی کے دعوے دائر کیے ہیں ۳۷ مردوں نے بھی دعوے کیے جن کی بیویاں روٹھ کر میکے چلی گئی تھیں (۲۲)۔ ستمبر میں فیملی عدالتوں میں ۱۲۱۳ دعوے دائر کیے گئے ۷۹۵ تنسیخ نکاح کے ہیں۔ شازیہ رشید ایڈووکیٹ نے بتایا کہ طلاق کی شرح پہلے ۳۰ سے ۴۰ فیصد تھی اب یہ شرح ۵۰ سے ۶۰ فیصد ہو چکی ہے (۲۳)۔ آج مفتیان کرام سے پوچھا جائے ان کے پاس آنے والے مسائل کا تقریباً ۸۰ فیصد اسی شعبہ زندگی سے متعلق ہوتا ہے (۲۴)۔ سینئر سول جج لاہور کی عدالت سے حاصل کردہ اعداد و شمار کے مطابق جنوری ۲۰۰۸ء سے لے کر اپریل ۲۰۰۸ء تک صرف چار ماہ میں ۳۵۲۳ فیملی کیسز دائر کیے گئے روزانہ ۸۰ سے ۸۵ فیملی کیسز دائر ہو رہے ہیں (۲۵) سینئر سول جج فیصل آباد کی عدالت سے حاصل کردہ اعداد و شمار کے مطابق اسی دورانیہ میں ۱۴۶۶ فیملی کیسز دائر ہوئے (۲۶)۔ یہ صرف ایک صوبے کے دو شہروں کی عدالت سے حاصل کردہ ریکارڈ ہے۔ اسی سے باقی عدالتوں کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اربابِ فکر و دانش کے لیے ایک لمحۂ فکریہ ہے کہ گھر جو

سکون اور محبت کا مرکز بننا چاہئے اس کی اندرونی فضا کس قدر گھٹن اور بے چینی کی عکاس ہے۔

زوجین میں حسنِ سلوک کا فقدان:

زوجین کے درمیان حسن سلوک ہی اس رشتے میں مؤدت ورحمت کا باعث بنتا ہے۔ میاں بیوی کا باہم مل جل کر سکون واطمینان سے رہنا، ایک دوسرے کے ساتھ بھلا سلوک کرنا، عائلی زندگی کے ثمرات کے حصول کے لیے لازم ہے۔ میاں بیوی دونوں کی سوچ یہ ہو کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے لیے لازمی طور پر کامل سعادت کا طالب ہو چونکہ مرد غالب، قوی اور اہل خانہ کا نگہبان ہے۔ اسلام عائلی زندگی کو سکون واطمینان کا مرقع بنانے کے لیے مرد کو عورت کے ساتھ بھلا سلوک کرنے کی ترغیب دلاتا ہے اور پسندیدہ تو کجا ناپسندیدہ بیوی کے ساتھ بھی حسنِ معاشرت کی تاکید کرتا ہے۔ تاکہ عورت مطمئن و پرسکون ہو اور مرد کے لیے باعثِ تسکین بنتے ہوئے مرد کے رجحانِ شدت وغضب کو متوازن کرسکے۔ آج کل اس حسن سلوک کا فقدان ہو گیا ہے جس کی بنا پر دلوں کی دوری کا سفر تیزی سے جاری ہے ''عورت مال ودولت سے زیادہ خاوند کی محبت، حسن سلوک اور دلجوئی کی خواہش مند ہوتی ہے۔ شوہر کی جانب سے اگر اس کو محبت کے پھول ملتے رہیں اور نرم ونازک باتوں سے اس کی دلجوئی ہوتی رہے تو وہ غربت وافلاس میں بھی اپنی زندگی کے دن ہنسی خوشی گزار دیتی ہے۔ لیکن اگر شوہر کی جانب سے اسے ترش روئی اور جھڑکیوں کے طمانچے ملیں تو مال ودولت کے ڈھیر بھی اس کے لیے کانٹوں کے بستر بن جاتے ہیں'' (۲۷) اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَیْرًا فَاِنَّمَا هُنَّ عَوَانٍ عِنْدَکُمْ (۲۸)۔ ناپسندہ بیوی کے ساتھ بھی حسن سلوک کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا ''وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ'' (۲۹) عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور اگر کسی وجہ سے وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے تم کو کوئی چیز ناپسند ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت بھلائیاں رکھ دی ہوں۔

مولانا نعیم صدیقی لکھتے ہیں ''موجودہ عائلی سسٹم میں خرابیاں موجود ہیں۔ اس میں عورت کی مشکلات نسبتاً زیادہ ہیں۔ بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ بعض صورتوں میں وہ لاینحل مظلومی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ خاص طور پر سیدھی سادی مسلمان عورتوں کی جن اذیت ناک داستانوں سے میں آگاہ ہوا اور جیسے حالات کے بارے میں مجھ سے سوالات پوچھے جاتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں شوہروں کی وہ اکثریت جو قدیم یا جدید جاہلیت پر مبنی عائلی نظام کو لے کر چل رہی ہے۔ بالعموم عام انسانی شائستگی سے بھی عاری ہے۔ ستم یہ کہ ایسے شوہر اسلام کے تمام احکام کو روند کر، اسلام کے اندر سے اپنے لئے یہ حکم نکال لیتے ہیں کہ بیوی کو ان کا ہر حکم، ہر قسم کے حالات میں ماننا چاہئے اور ذرا بھی چون وچرا نہیں کرنی چاہئے۔ بیویوں کے لیے ان کا نقطۂ نظر ان سے بدتر ہے جو قدیم دور میں کسی شریف آدمی کا لونڈی کے متعلق ہوتا تھا۔ ازدواجی زندگی میں اسلام جو کچھ مطالبے ان سے کرتا ہے وہ انہیں پورا نہیں کرتا۔ البتہ فریقِ ثانی سے چاہتے ہیں کہ وہ ان

کے فرامین کی تعمیل کرے گا(۳۰)۔حسن سلوک میں کئی چیزیں شامل ہیں مثلاً بھلا سلوک کرنا، غلطیوں سے صرفِ نظر کرنا، لباس اور رہائش میں حتی الوسع کشادگی اختیار کرنا، طعن وتشنیع سے گریز کرنا، اگر عورت سے کسی حق کو پورا کرنے میں کوتاہی ہو جائے تو اس کی جبلی خلقت کو مدنظر رکھتے ہوئے درگزر سے کام لینا، جائز حدود میں ہنسی مذاق کرنا اور بلا جواز شک وشبہ سے گریز کرنا اور اس پر اس کی وسعت سے بڑھ کر بوجھ نہ ڈالنا شامل ہے۔عصرِ حاضر میں اس حسنِ معاشرت میں کمی ہوتی جا رہی ہے اور معمولی خطاؤں پر معاملہ تعذیب وتشدد تک جا پہنچتا ہے۔

خواتین پر تشدد کا بڑھتا ہوا رجحان:

خواتین کے ساتھ حسن سلوک اور نرم رویے کے بجائے سختی اور تشدد کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔کہیں ہاتھ جلا دینا، اعضاء کاٹ دینا، تیل وتیزاب کی مدد لیتے ہوئے ایک زندہ وجود کو جلا کر رکھ دینا روزمرہ کا معمول بنتا جا رہا ہے۔گھریلو تشدد کے بارے میں اقوام متحدہ کے عالمی ادارۂ صحت W.H.O کے پہلے عالمی مطالعاتی جائزے میں بتایا گیا ہے کہ دنیا بھر میں ہر چھ میں سے ایک خاتون کو اپنے خاوند یا مرد ساتھی کے ہاتھوں تشدد کا نشانہ بننا پڑتا ہے(۳۱)۔ایمنسٹی انٹرنیشنل کے جاری کردہ اعداد وشمار سے پتا چلتا ہے کہ انگلستان اور ویلز میں ہر چار میں سے ایک عورت زندگی میں کم از کم ایک بار گھریلو تشدد کا نشانہ بنتی ہے۔بی بی سی کی جانب سے ۲۰۰۳ء میں کیے گئے ایک سروے میں ۷۸ فیصد مردوں اور عورتوں نے کہا کہ اگر ان کے پڑوس میں کوئی شخص اپنے پالتو کتے کو مار رہا ہوگا تو وہ پولیس کو اطلاع دے کر اسے بچانے کی کوشش کریں گے جبکہ کسی گھر میں کسی مرد کی جانب سے اپنی بیوی یا دوست عورت پر تشدد کیے جانے کی صورت میں پولیس کو اطلاع دینے پر صرف ۵۳ فیصد افراد نے آمادگی ظاہر کی(۳۲)یہ منظر نامہ تو ان ملکوں کا ہے جو جدیدیت اور روشن خیالی کے علمبردار ہونے کا دعوٰی کرتے ہیں جبکہ وہ ممالک جہاں اللہ رب العزت کے آخری پیغام کے نام لیوا موجود ہیں وہاں بھی منظر کچھ خاص فرق نہیں حالانکہ وہاں تو حالات بہتر ہونے چاہئیں تھے۔سٹیزن کمیشن فار ہیومن رائٹس کی رپورٹ کے مطابق سال ۲۰۰۶ء کے پہلے چھ ماہ میں ۲۵۰ خواتین کو قتل کر دیا گیا۔ان میں سے ۵۴ فیصد خواتین شادی شدہ تھیں(۳۳)۔ہیومن رائٹس کمیشن (جنوبی ایشیا) کی سالانہ رپورٹ کے مطابق ۲۰۰۷ء پاکستان کی ساٹھ سالہ تاریخ کا بدترین سال رہا۔گھریلو تشدد کے واقعات میں صوبہ پنجاب ۴۳۲۰ واقعات کے ساتھ سرفہرست رہا جبکہ صوبہ سندھ میں ۱۵۰۵، صوبہ سرحد میں ۵۵۴ اور صوبہ بلوچستان میں ۱۶۹ واقعات رپورٹ کیے گئے۔گھریلو تشدد کے واقعات معاشرتی دباؤ کی وجہ سے زیادہ تر رپورٹ نہیں کیے جاتے ہیں۔یہ تعداد ان واقعات کی ہے جو منظر عام پر آئے اور اصل تعداد ان واقعات سے کہیں زیادہ ہو سکتی۔ گھریلو تشدد کے واقعات میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔حکومت ایسے واقعات کی روک تھام میں تقریباً ناکام ہو چکی ہے۔ ان واقعات کے رونما ہونے کی وجوہ میں زیادہ تر جائیداد اور وراثت کے معاملات، گھریلو تنازعات، جبری شادی، غربت،

غلط فہمی خاوند کا احساسِ محرومی اور شک گردانے گئے ہیں۔ ۲۰۰۷ء میں گھریلو تشدد کے واقعات میں ۱۷۶۳ خواتین کو جلا کر مارا گیا ۶۱۸ خواتین کو قتل کیا گیا۔ جن میں ۲۵۱ کا گلا گھونٹا گیا اور ۱۴۷ کو گلا کاٹ کر قتل کیا گیا۔ ان کے علاوہ ۲۴۷ خواتین کو مارا پیٹا گیا۔ ۲۱۴ پر تیزاب چھڑک کر زخمی کیا گیا۔ ۱۸۶ خواتین کے مختلف جسمانی اعضاء کو کاٹ دیا گیا (۳۴)۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات کے ساتھ بھلے سلوک اور حسنِ معاشرت کا جو عمدہ نمونہ چھوڑا ہے وہ امتِ مسلمہ کے لیے نشانِ سعادت ہے۔ ہر معاملہ میں شفقت، نرمی اور رفق کا عملی مظاہرہ کیا۔ کیا ازواج مطہرات کی کثیر تعداد کے ساتھ شکر رنجیوں کا کوئی لمحہ نہ آیا ہوگا؟ لیکن حسنِ سلوک کی عمدہ مثال، کبھی کسی زوجہ کو طعن و تشنیع نہیں کی کبھی کسی زوجہ پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ مَا ضَرَبَ رَسُوْلَ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم خَادِمًا لَهٗ، وَلَا اِمْرَأۃ وَلَا ضَرَبَ بِیَدِہٖ شیئًا (۳۵)۔

نہ صرف یہ کہ خود کبھی زوجہ کے ساتھ برا سلوک نہیں کیا بلکہ بیوی کے ساتھ تشدد آمیز رویہ اپنانے والوں کو ہمیشہ کے لیے اپنا فیصلہ سنا دیا ''لَیْسَ اُولٰئِکَ بِخِیَارِکُمْ'' (۳۶) ''وہ ہرگز تمہارے اچھے لوگ نہیں ہیں۔''

زوجین کی عائلی فرائض سے عدم توجہی:

اکثر زوجین میں سے ہر دو یا کوئی ایک اپنی عائلی ذمہ داریوں سے کماحقہ واقف نہیں۔ کم پڑھا لکھا طبقہ تو دور کی بات ہے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ بھی عائلی قوانین واحکام سے پوری طرح واقف نہیں۔ تعلیمی نصاب میں مناسب رہنمائی موجود نہیں۔ شادی کو محض دو افراد کے اکٹھے زندگی گزارنے کا ایک طریقہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے مقام و مرتبہ، مقاصد اور اہمیت سے اکثریت شناسا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ برسوں اکٹھے رہنے اور اکٹھے کھانے پینے کے باوجود زوجین سوچ کی زمینوں پر دو مختلف منزلوں کے مسافر رہتے ہیں۔ حقیقی ہم آہنگی اور ربط نہاں دیکھنے کو نہیں ملتا بلکہ بعض اوقات تو دونوں کے درمیان حریفانہ کشاکش عمر بھر جاری رہتی ہے اور یہ کشاکش بچے کی شخصیت کو آٹے کی طرح پیس کے رکھ دیتی ہے۔ اسلام نے ازدواجی زندگی کو مضبوط اور پرسکون بنانے اور اختلافات اور نزاعات سے بچانے کے لیے زوجین میں سے ہر ایک کے فرائض بیان کئے ہیں۔ اگر ان فرائض کو توجہ اور دلجمعی سے ادا کیا جائے تو محبت خود بخود بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اگر ان فرائض سے صرفِ نظر کیا جائے تو باہم نفرت اور کراہت کا رویہ جنم لیتا ہے۔ نفرت کی لہریں زوجین، اولاد اور دو خاندانوں میں ہی نہیں بلکہ بڑھتے بڑھتے پورے معاشرے میں بے سکونی پھیلا دیتی ہیں آج کل مسائل کی کثرت کا ایک سبب ان فرائض سے زوجین کی عدم توجہی بھی ہے۔ اسلام نے عائلی زندگی کی برقراری کی صورت میں کچھ قواعد وضوابط دیئے ہیں اور اگر خدانخواستہ کسی معقول سبب کی بنا پر زوجین کو علیحدگی کا راستہ منتخب کرنا پڑے تو بھی اِمْسَاکٌ بِالْمَعْرُوْفِ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ (۳۷) کا حکم دیا اور ان سے منہ پھیرنے والے کو ﴿وَمَنْ یَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ﴾ (۳۸) کی وعید

سنائی۔حسنِ سلوک کا فقدان اور قوامیت کا نامناسب استعمال کیا جاتا ہے۔ بلاوجہ غیرت اور اشتعال بھی ازدواجی جھگڑوں کا سبب بنتی ہے۔میاں بیوی ایک دوسرے کے جسمانی حقوق پورا کرنے میں کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ان حقوق میں کوتاہی اگر مرد کی طرف سے ہو تو عورت کے دل میں بدگمانیوں کے ساتھ ساتھ مرد سے نفرت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔اگر بیوی انہیں پورا نہ کرے تو مرد کے دل میں نفرتوں کا الاؤ پکنے لگتا ہے۔مرد اپنی بعض مصروفیات کی بنا پر عورتوں کی طرف توجہ کم کر دیتے ہیں حالانکہ بیوی کو مسلسل توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔گھریلو امور، بچوں کی پرورش و تربیت میں پڑ کر یا بعض اوقات ملازمت کے مسائل میں الجھ کر بیوی میاں سے اعراض کا رویہ اختیار کر لیتی ہے۔اس طرح گھریلو سکون و اطمینان رخصت ہو جاتا ہے۔عورت کی گھریلو ذمہ داریوں کے بارے میں مناسب تربیت نہ ہو یا ادائیگی کی طرف پوری توجہ نہ ہو تو مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔عورت کی ملازمت اس کی طبعی ذمہ داریوں اور فطری وظائف کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔باہم ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی سے عدم توجہی حسن سلوک کے فقدان کا باعث بنتی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ مہر و محبت جو اس زندگی کا مقصود ہے کم نظر آتا ہے۔مجبوری کے بندھن میں بندھے باہم اکٹھے زندگی گزار رہے ہوتے ہیں اور رفیقِ سفر یا شریکِ حیات کا محض لفظی استعمال ہوتا ہے عملی طور پر مظاہرے کم نظر آتے ہیں میاں بیوی سے مطمئن نہیں اور بیوی میاں سے شاکی ہے۔

عورت کی ملازمت:

عورتوں کی ملازمت بھی گھریلو مسائل میں اضافے کا باعث بن رہی ہے۔ملازمت نے عورت کے اوپر بہت بوجھ ڈال دیا ہے۔دفتری اور گھریلو امور کی مصروفیت میں عورت کی شخصیت پس کے رہ گئی ہے اور اب تو اکثر مردوں نے ملازمت کو عورت کے اضافی خصائص میں شمار کرنا شروع کر دیا ہے۔ضرورتِ رشتہ کے اشتہار میں حسن و دولت کے ساتھ ملازمت کا بھی اضافہ ہو چکا ہے۔تھکی ہاری عورت اپنے شوہر کے لیے مرکزِ سکون نہیں بن سکتی۔حالانکہ شوہر کو بیوی کے لیے اور خصوصیت سے بیوی کو شوہر کے لیے مستقل مرکزِ سکون ہونا چاہیے۔شوہر زندگی کے بوجھ سے تھک تھکا کر جب بھی دم لینا چاہے تو اسے بیوی کی شخصیت ایک پناہ گاہ اور ایک جائے سکون محسوس ہو۔ اور بیوی اس کی دنیوی زندگی کی گردشوں کے ہر مدار میں مرکزی نقطہ بن کے رہے۔سروے کے دوران ۶۵ فیصد لوگوں نے رائے دی کہ عورت کی ملازمت عائلی مسائل میں اضافے کا باعث بنتی ہے(۳۹) زینب الغزالی لکھتی ہیں ''آزادی اور ملازمت کا شوق آج عورت کو اس کے اصل مرکز عمل اور حقیقی کارگاہ حیات یعنی اس کے گھر سے اسے باہر نکال کر لے گیا ہے۔یہ خود عورت کے لیے اور مجموعی طور پر مسلم معاشرے اور ملت کے لیے سب سے بڑا گھمبیر مسئلہ بن گیا ہے۔اس کا حل یہ ہے کہ عورت پلٹ کر اپنی قلمرو میں آجائے اور باہر کے مسائل مرد پر چھوڑ دے۔اس طرح اولاد ہی ضائع نہیں ہو رہی بلکہ ازدواج کے وظائف بھی متاثر ہو رہے ہیں۔

ازدواجی زندگی کی عمارت ہدم وشکست اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہی ہے۔ خاندانی نظام کا استحکام متزلزل ہو رہا ہے (۴۰)۔ ڈاکٹر صالح بن فوزان لکھتے ہیں کہ ''عورت کی ملازمت کی پاداش میں خاندانی نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا ہے میاں بیوی کے درمیان حسن مفاہمت کے بجائے سوءِ تفاہم کی خلیج حائل ہوگئی ہے جو بیشتر حالات میں آپس کی جدائی یا ناپسندیدہ اور پریشان کن زندگی گزارنے کا سبب بنتی ہے'' (۴۱) کئی مراکشی ججوں نے عورت کی اعلیٰ تعلیم اور اس کی تنخواہ کو جوڑے کے درمیان ہونے والے جھگڑے کے ذمہ دار عوامل میں سے ایک تسلیم کیا ہے۔ رباط محمد پنجم یونیورسٹی سے حال ہی میں ڈاکٹریٹ کرنے والی زینب معادی نے کاسابلانکا کی ایک فیملی کورٹ کے تین ہزار مقدمات کا تجزیہ کرتے ہوئے نتیجہ اخذ کیا کہ کام کرنے والی عورتوں کا گھر سے نکل کر کام کرنا اور اضافی آمدن حاصل کرنا ہی اصل وجہ نزاع تھی (۴۲)۔ کام کرنے والی عورتیں خودمختار زندگی بسر کرنا چاہتی ہیں اپنا علیحدہ گھر چاہتی ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رشتے ٹوٹنے یا کمزور ہونے لگتے ہیں۔ بعض اوقات نتیجہ علیحدگی کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ ماں مصروفیات کی بنا پر بچوں کی پرورش و تربیت سے کماحقہ انصاف نہیں کرسکتی۔ بڑھتی ہوئی ضروریات اور مردوں کا خواتین کی ملازمت کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنا روز بروز ملازمت پیشہ خواتین کی تعداد میں اضافہ کا باعث بن رہا ہے۔

مرد کے حق قوامیت کے تصور میں بگاڑ:

مرد کے حق قوامیت کے تصور میں بگاڑ پیدا ہو چکا ہے۔ عائلی زندگی میں گھریلو نظم کو برقرار رکھنے، اختیارات کے ارتکاز اور انفاقِ مال کی بنا پر مرد کو بلند درجہ دیا گیا اور قوامیت کی ذمہ داری ڈالی گئی اور اس قوامیت کا مقصد معاملات کی نگرانی، اصلاح اور نگہبانی ہے۔ بعض مردوں نے قوامیت کے حق کو عورت کے حقوق کے استحصال بلکہ استیصال کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ مرد کو عورت کی تادیب کی اجازت عورت کے نشوز اور بے حیائی کی صورت میں دی گئی ہے۔ جب کہ مردوں نے معمولی باتوں، یہاں تک کہ ہنڈیا میں نمک کم ہو یا کوئی معمولی نقصان ہو جائے یا خدمت میں کہیں کمی رہ جائے تو نفرت و حقارت، طعن و تشنیع اور ہاتھ اور چھڑی کے ناروا استعمال کو اپنا شیوہ بنا لیا ہے۔ ایسی صورت میں مودت و رحمت کے پیدا ہونے کا امکان معدوم ہو جاتا ہے۔ مرد آقا کی حیثیت اختیار کر چکا ہے جبکہ بعض لوگ شادی کے بعد عورت کو اپنی ملکیت اور لونڈی تسلیم کرتے ہیں۔ وحشیانہ سزائیں اور جان لیوا تشدد معمول بنتا جا رہا ہے۔

اختیارِ نکاح کا نامناسب استعمال:

شریعتِ اسلامیہ نے عائلی زندگی کو مضبوطی عطا کرنے کے لیے نکاح کو پسندیدہ اور مستحسن طریقہ قرار دیا۔ اس رشتہ کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کے لیے اس بات کو انتہائی پسندیدہ قرار دیا کہ معاہدۂ نکاح خواتین کے ذمہ دار اور سرپرست انجام دیں تاکہ خوب غور و خوض اور تجربات کی روشنی میں مسلم خاتون کے لیے اچھے ساتھی کا انتخاب کریں۔ لیکن

ولی کے اس اختیار کو توازن اور اعتدال بخشنے کے لیے عورت کی رضا مندی کو لازم قرار دے دیا۔ اور اگر ولی ظالم ہو تو اس سے حقِ ولایت چھین لیا۔ اسی طرح عورت کے حقِ نکاح کے اختیار کو بھی ولی کے حقِ محاسبہ کے ساتھ مشروط کر دیا۔ تا کہ نیا تشکیل پانے والا جوڑا انتخاب میں کسی غلطی کا شکار بھی نہ ہو اور بزرگوں کی دعائیں اور محبتیں بھی اس کے شامل حال ہوں۔ نکاح کے مقاصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ زوجین میں باہمی اتفاق و محبت موجود ہو اسی لیے اسلام اس امر کا اہتمام کرتا ہے کہ زوجین کی رضا مندی اور پسند اس نکاح میں ضرور شامل ہو تا کہ باہم الفت و محبت کا حصول ممکن ہو اور دونوں بخوشی اپنے فرائض ادا کریں۔ ہمارے معاشرے میں نکاح میں اس امر کا اہتمام اکثر نہیں ہوتا۔ شادی میں زوجین کی پسند بطور خاص لڑکی کی رضا مندی اور پسند کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی اور جبراً نکاح کر دیا جاتا ہے۔ اگر رضا مندی لی بھی جائے تو محض فرضی کاروائی ہوتی ہے۔ اور اس کا جواب صرف ''ہاں'' کی صورت میں ہونا چاہئے۔ یا رضا مندی اس وقت لی جاتی ہے جب سارا خاندان گھر میں اور نکاح خواں دروازے پر موجود ہوتا ہے لڑکی ماں باپ کی عزت اور بھرم پر چارو نا چار اپنی خواہش اور تمنا کو قربان کر دیتی ہے۔ بچپن کی شادیاں، وٹہ سٹہ کا رواج، بعض علاقوں میں قرآن سے شادی اور تاوان میں چکانے والے ماں باپ بچوں کی خواہش اور پسند کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ دوسری طرف ایک اور رجحان روز بروز پنپ رہا ہے کہ جب زیرِ ولایت اپنے اختیارات میں تفریط کی طرف مائل ہو جائے تو چوری چھپے کے معاشقے، گھر سے فرار اور بڑوں کی عزت روندنے کے کئی دلخراش مناظر عدالتوں یا گلی بازار میں دکھائی دیتے ہیں۔ ''اس وقت پاکستان میں "Love marriage" کی سالانہ شرح ۲۳ ہزار ہے۔ صرف لاہور میں سالانہ ۶۰۰ لڑکیاں محبت کی شادیاں کر رہی ہیں۔ لاہور کے دارالامان میں روزانہ ایک لڑکی لو میرج کر کے حدود کیس میں آتی ہے۔ یہ تعداد بسا اوقات ۴ تک بھی پہنچ جاتی ہے۔ لیکن ایسا کوئی دن نہیں گزرتا کہ لاہور کے دارالامان میں کوئی لڑکی قدم نہ رکھے'' (۴۳) جبری شادیوں اور ناپسند کی شادیوں میں زوجین پورے دل سے شامل نہیں ہوتے جبکہ مرضی کی شادی میں یہ جوڑا خاندان سے کٹ کر رہ جاتا ہے۔ پھر معمولی مسائل بڑھتے بڑھتے طلاق تک جا پہنچتے ہیں۔ شادی میں مطلوبہ ہم آہنگی نہ ہونے کی بنا پر اور زبردستی باندھے جانے والے بندھنوں کی بنا پر عائلی مسائل میں گونا گوں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

مشترکہ طرزِ رہائش:

عائلی بگاڑ کا سبب صرف زوجین کا رویہ ہی نہیں بلکہ دیگر افرادِ خانہ بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ بعض اوقات زوجین باہم مطمئن ہوتے ہیں جبکہ متعلقہ افراد انہیں مطمئن زندگی گزارنے نہیں دیتے۔ مشترکہ طرزِ رہائش بھی عائلی مسائل میں اضافے کا باعث ہے۔ ہر فرد اپنی ذاتی پسند اور ترجیحات رکھتا ہے۔ دوسرے افراد کا بے جا عمل دخل افراد کی ذاتی اور نجی زندگی کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ میاں بیوی کے باہم تعلقات بھی متاثر ہوتے ہیں ساس بہو کا جھگڑا روایتی

حیثیت اختیار کر چکا ہے اور شاید یہ حریفانہ کشاکش ہر مشترکہ گھر میں موجود ہے۔ بہو پر سارے گھر کی خدمت کا بوجھ ڈال دیا جاتا ہے اور اگر تھکاوٹ، سستی یا ناتجربہ کاری کا مظاہرہ کرے تو طعن و تشنیع کی بوچھاڑ اس کا سینہ چھلنی کر دیتی ہے۔ رفتہ رفتہ اس کا مزاج کڑوا ہو جاتا ہے اور مزاج کی یہ کرواہٹ عائلی زندگی کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتی بلکہ بعض اوقات ان اسباب کی بنا پر حالات اتنے تلخ ہو جاتے ہیں کہ عائلی زندگی کا برقرار رہنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

عورت کے مرکزی کردار میں تبدیلی:

عورت گھر اور خاندان کا مرکز و محور ہوتی ہے۔ اگر یہ مرکز موجود نہ رہے تو سب کچھ بکھر جاتا ہے۔ عورت خاندان میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ خاندان میں عورت کے مقام، حیثیت اور ذمہ داری میں تبدیلی پیدا ہو چکی ہے۔ مردوں کے شانہ بشانہ ترقی کے خوبصورت نعروں کے پردے میں عورت کے لیے ملازمت، ہر طرح کی ملازمت اور ہر صورت میں ملازمت کی بنا پر عورت اپنے گھریلو امور کی طرف بھرپور توجہ نہیں دے پاتی۔ علاوہ ازیں خواتین کی بڑی اکثریت اپنی ذمہ داریوں اور کردار سے کماحقہ واقف نہیں ہے۔ مغربی اثرات نے بھی عورت کے کردار کو متاثر کیا ہے۔ اسلامی معاشرے کے وجود کو پارہ پارہ کرنے کے لیے مغرب نے عورت کے ذریعے اپنے منصوبے نافذ کرنے شروع کئے ہیں۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ فرانسیسی استعمار نے ''الجزائر'' کے معاشرے کو تباہ کرنے کے لیے وہاں کو فوج میں لادینیت پھیلا دی۔ لیکن اس کو اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ملی۔ چنانچہ فرانس نے معاشریات کے ایک ماہر ''روجیہ موینیہ'' کا تعاون حاصل کیا۔ جس نے الجزائر کے شہر در شہر اور قریہ در قریہ گھومنے اور وہاں کے احوال کا جائزہ لینے کے بعد حکومتِ فرانس کو رپورٹ پیش کی جس میں اس نے کہا ''اگر تم الجزائر کو ختم کرنا چاہتے ہو تو عورت ہی ایک راستہ ہے۔ عورت اسلامی اقدار کی محافظ ہے۔ اگر تم اس کو اسلام سے دور کرنے میں کامیاب ہو گئے تو سمجھ لو کہ تم نے اپنے مقاصد حاصل کر لئے (۴۴)۔

دیگر تمدنوں کے اثرات اور رسوم و رواج کا اثر:

دیگر تمدنوں کے اثرات اور رسوم و رواج نے ہمارے عائلی نظام کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دیا ہے۔ شادی کا تعلق بے شمار ایسے رسوم و رواج کی زد میں آچکا ہے جن کا شریعتِ اسلامیہ سے کوئی تعلق نہیں۔ نکاح میں تاخیر کا رجحان بڑھتا جارہا ہے جس کا سبب شادی کے لیے تقوی و دینداری کی بجائے مال و دولت اور حسن کا بڑھتا ہوا معیار ہے۔ شادی پر اٹھنے والے بے پناہ اخراجات بھی تاخیر کا باعث بنتے ہیں۔ شادی کے بعد انہی اخراجات پر کیا ہوا اسراف کئی مالی مشکلات کو جنم دیتا ہے۔

مولانا تقی عثمانی انہی اسباب و علل کا جائزہ لیتے ہوئے رقمطراز ہیں ''ہندوستان میں مغربی تسلط کا دور اس لحاظ سے بھی مسلمانوں کے لیے تاریک ترین دور تھا۔ ایک طرف تو غیروں کے تسلط کی وجہ سے ان کے عائلی قوانین ٹھیک ٹھیک

قرآنی ہدایت کے مطابق نہ رہے۔دوسری طرف ہندوؤں کے ساتھ شب وروز کے اختلاط نے ان کے معاشرے میں بے شمار ایسی رسمیں پیدا کردیں جو نہ صرف اسلامی اصولوں کے بالکل خلاف تھیں بلکہ بڑی انسانیت سوز، انتہائی وحشیانہ اور سخت ظالمانہ تھیں۔اس طرح اس قوم نے جس کے پاس زندگی گزارنے کے لیے ایک بڑا متوازن اور سو فیصد فطری نظام موجود تھا، غیروں کے طور طریق اختیار کر کے اپنے آپ کو تباہ کن رسموں میں جکڑ لیا، حالات کی اس تبدیلی کا سب سے برا اثر بیچاری عورت پر پڑا اور اس تمام عرصہ میں یہ غریب ظلم وستم کے دہکتے الاؤ میں پڑی سسکتی رہی'' (۴۵) مولانا مودودی لکھتے ہیں: ''غیر اسلامی تمدنوں کے زیر اثر مسلمانوں کے ازدواجی معاملات میں نہ صرف بہت سے ایسے رسمیات اور وہمیات داخل ہو گئے ہیں جو اسلامی قانونِ ازدواج کے اصول اور اس کی اسپرٹ کے خلاف ہیں، بلکہ سرے سے زوجیت کا تصور ہی ان کی ایک بڑی اکثریت کے ذہن سے محو ہو گیا'' (۴۶)۔

حقِ طلاق کا غیر ذمہ دارانہ استعمال:

اسلام میں مرد کے خصوصی مقام اور بعض ذمہ داریوں کی بنا طلاق کا حق مرد کو دیا گیا ہے تاہم یہ بے قید اختیار نہیں ہے اسلام نے اس کے حقِ طلاق پر کئی قیود عائد کی ہیں جو قانونی بھی ہے اور اخلاقی بھی، احادیث مبارکہ میں طلاق دینے کا طریقہ وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے۔اس کی رو سے شوہر کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ عورت کو طلاق تین مراحل میں دے۔اس کی حکمت ومصلحت یہ ہے کہ اس طرح شوہر کو اپنے فیصلے پر نظر ثانی اور سوچ بچار کا موقع مل جاتا ہے اور پہلی دو طلاقوں کے بعد رجوع کا امکان باقی رہتا ہے، بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں ایک تو معمولی باتوں پر طلاق کا رواج ہوتا جا رہا ہے اور دوسرے یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ ایک دفعہ تین طلاقیں ہی حقیقی طلاق ہے۔طلاق کی دستاویز تیار کرنے والے افراد بھی تین طلاقوں پر مبنی طلاق نامہ لکھتے ہیں۔اس تصور طلاق کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ کسی فوری اور شدید جذبہ اشتعال کے تحت بیویوں کو جھٹ سے تین طلاقیں دے ڈالتے ہیں پھر نادم ہوتے ہیں اور شرعی حیلے تلاش کرتے ہیں۔کوئی جھوٹی قسمیں کھا کر طلاق سے انکار کرتا ہے اور کوئی حلالے کی تدبیریں سوچتا ہے۔اور بعض دین سے ناواقف لوگ تین طلاقوں کے باوجود ازدواجی زندگی برقرار رکھنے پر اصرار کرتے ہیں۔بعض مرد تو یہاں تک کہہ ڈالتے ہیں کہ طلاق ہمارا حق ہے ہم جتنی بار چاہیں دیں اور جب، جیسے چاہیں رجوع کر لیں۔محمد طاہر منصوری لکھتے ہیں ''اس صورت حال میں مناسب یہ ہے کہ طلاقِ ثلاثہ کو ایک طلاق شمار کیا جائے تاکہ گھر برباد ہونے سے بچ سکیں اور مصالحت کے دروازے کھل سکیں۔ایک ایسے معاشرے میں جہاں لوگوں کا فہم دین کمزور ہو۔وہ دینِ اسلام کی معاشرتی وتمدنی تعلیمات سے ناواقف ہوں اور خاص طور پر طلاق کے بارے میں اسلامی تعلیمات سے آگاہ نہ ہوں، وہاں ایک مجلس میں تین طلاقوں کو رائج اور نافذ کرنے کا تصور ان قرآنی تعلیمات کے منافی ہے جو دین میں آسانی سہولت اور دفع حرج پر زور دیتی ہیں'' (۴۷) طلاق ویسے ہی ناپسندیدہ

ہے اور بامرِ مجبوری اجازت دی گئی ہے۔ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دینا عائلی زندگی میں لاینحل مسائل کا باعث بن جاتا ہے۔طلاق رجعی کے بعد عورت کو گھر سے نکال دیا جاتا ہے یا وہ خود گھر چھوڑ کر چلی جاتی ہے جس سے مصالحت کا امکان معدوم ہو جاتا ہے۔طلاق کے آداب کا خیال رکھا جائے تا کہ طلاق کی راہ میں موجود رکاوٹیں برقرار ہیں۔ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے والے کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیا جائے۔''ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا اتنا بڑا جرم ہے کہ ایسے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدتِ غضب سے اٹھ کر کھڑے ہوئے اور فرمایا میری موجودگی میں کتاب اللہ سے مذاق؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت دیکھ کر ایک شخص اجازت مانگنے لگا کہ ''میں اس مجرم کو قتل نہ کردوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہِ شفقت اس مجرم کو قتل کرنے کی اجازت نہ دی۔تاہم اس واقعہ سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینا شرعی نقطۂ نگاہ سے کتنا بڑا گناہ اور مکروہ فعل ہے مگر دورِ جاہلیت کی یہ عادت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جلد پھر عود کر آئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں سے اس بدعات کو چھڑانے کے لیے تین طرح کے اقدامات کئے (i) آپ رضی اللہ عنہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے والے کو سزا بھی دیتے تھے (ii) ایک مجلس کی تین طلاق کو آپ رضی اللہ عنہ نے تین ہی شمار کرنے کا قانون نافذ کردیا (iii) اور جب لوگوں نے اپنی عادت پر کنٹرول کے بجائے حلالہ کی باتیں شروع کردیں تو آپ نے حلالہ نکالنے اور نکلوانے والے دونوں کے لیے رجم کی سزا مقرر کردی'' مگر آج صورتِ حال بالکل مختلف ہے۔آج کا المیہ یہ ہے کہ مقلد حضرات ہوں یا غیر مقلد، کوئی بھی اکٹھی تین طلاق کو جرم نہیں سمجھتا بلکہ جہالت اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ عوام تو درکنار خواص بھی یہ سمجھتے ہیں کہ جدائی کے لیے تین طلاق دینا ضروری ہے۔غیر مقلد ایسے شخص کو اگر طلاق رجعی کی راہ دکھا دیں تو اسے یہ کیونکر معلوم ہو کہ اس نے کسی جرم کا ارتکاب کیا ہے؟ اور مقلد حضرات اسے حلالہ کی راہ دکھا دیں تو بھی اس کا اُلو سیدھا ہو جائے گا آخر اسے اپنے جرم کی کیا سزا ملی؟ حالانکہ ہمارے نزدیک حضرت عمرؓ کی اصل سنت یہ ہے کہ بیک وقت طلاق دینے والے کو سزا ضرور دی جانی چاہئے'' (۴۸) محمد اقبال کیلانی لکھتے ہیں: ''اصل مسئلہ بیک وقت تین طلاقیں دینے کے گناہ کو واضح کرنا اور اس قبیح جرم کو روکنے اور ختم کرنے کی کوشش کرنا ہے جس کے لیے علماء اور فقہاء کو چاہئے کہ وہ اسلام کے دیگر احکام (مثلاً ظہار وغیرہ) کو سامنے رکھتے ہوئے تین طلاقیں دینے والے کے لیے کوئی مناسب سزا تجویز کریں جس سے اس خلاف سنت اور خطرناک طریقہ طلاق کا سد باب ہو سکے'' (۴۹)۔

عائلی اصلاح کی ضرورت:

عائلی اصلاح بہت ضروری ہے اگر عائلی مسائل سے غفلت برتی گئی اور بگاڑ کو جاری رہنے دیا گیا تو معاشرہ کا کوئی پہلو بہتری اور بھلائی سے مالا مال نہ ہو سکے گا بلکہ اندیشہ ابتری اور تباہی کا ہے ہمارا موجود معاشرہ اسلام کے اصولوں پر

صحیح طور سے قائم نہیں رہا ہے۔ اس لیے ہر دوسرے شعبے کی طرح ہمارے عائلی شعبے میں بھی اصلاح کی شدید ضرورت ہے۔ ہمارے ہاں اصلاحات کی کوشش کی گئی لیکن بقول مولانا نعیم صدیقی ''ہماری نئی عائلی اصلاحات کی ایک خوفناک کمزوری یہ ہے کہ انہوں نے گندے کپڑے چار دیواری یا غسل خانے کے اندر دھونے کی بجائے اب چوراہوں پر دھوبی گھاٹ کھلوا دیئے ہیں اور گندگی کو عام تر کرنے کا انتظام ہو گیا ہے۔ مغربی قانونِ ازدواج اپنی اس کمزوری کی وجہ سے، سماج کو گندہ کرنے کا باعث بنا تھا اب وہی کچھ ہمارے اسلامی معاشرہ میں بھی ہوگا۔ دوسری خرابی ان اصلاحات کی یہ ہے کہ وہ اپنے مزاج کے اعتبار سے مصالحت کی طرف لے جانے والی نہیں بلکہ زوجین کو محاربہ کے لیے تیار کرتی ہیں۔ مغرب نے بھی یہی کیا کہ اس نے عورت کے ہاتھ میں قانون کا ایک پستول تھما کر شوہر کے سامنے کھڑا کر دیا ہے شوہر بھی مجبور ہے کہ وہ بھی جوابی پستول سے مسلح رہے۔ ذرا سی ناگواری ہوئی اور ''ڈویل'' کا موقع آ گیا۔ صبر کی وہ اسپرٹ جس سے سرشار ہو کر ایک جوڑا ناخوشگواریوں اور مشکلات کے خارزار سے گزر کر ازدواجی جنت تک پہنچتا ہے، قانونی پستول سے مسلح جوڑوں میں کارفرما ہو ہی نہیں سکتی۔ اصلاحات یقیناً مطلوب ہیں مگر ان کا رخ صحیح ہونا چاہیئے''(۵۰)۔

خلاصہ بحث:

ان مسائل کا جلد از جلد حل ہونا نوعِ انسانی کی بقا اور معاشرے کے تحفظ کے لیے بہت ضروری ہے۔ اس کا واحد جامع اور قابل عمل حل صرف یہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کو پورے طور پر نافذ کر دیا جائے اور ہر فرد اس کی تعلیمات کو حرز جاں بنا لے۔ عائلی زندگی جو معاشرے کی تعمیر کی بنیادی اینٹ ہے۔ اس کی درستگی اور اصلاح کے لیے عائلی تربیت کا اہتمام کیا جائے۔ باہم حق تلفیوں کا ازالہ اور زوجین میں موافقت اور ہم آہنگی کی تدابیر اختیار کی جائیں۔ والدین بچوں کی مشاورت سے اور بچے والدین کی مشاورت کے ساتھ عائلی زندگی کا آغاز کریں۔ خاندان کو عائلی اصلاح میں مضبوط کردار ادا کرنا چاہیئے۔ گھریلو سکون کے لیے عورت کے ساتھ نرمی، شفقت اور محبت ضروری ہے۔ بڑھتے ہوئے گھریلو تشدد کا سد باب ہونا چاہیئے۔ مشترکہ رہائش سے پیدا شدہ مسائل کی طرف توجہ کرنا انتہائی اہم ہے تا کہ گھر سکون کا مرقع بن سکے۔ مردوں کے جابرانہ رویے کی اصلاح کی جائے۔ گھر میں عورت کو اس کے مرکزی کردار اور مقام کا شعوری علم ہو تا کہ وہ مرکزِ سکون و محبت بن کر نہ صرف شوہر کی ہمدم اور رفیق بن سکے بلکہ نسلِ نو چاہتوں اور محبتوں کے سائے میں پل کر جوان ہو۔ حقِ طلاق کے غیر ذمہ دارانہ استعمال میں رکاوٹ ڈالی جائے۔ مطلقہ کے ساتھ معاشرتی رویے تبدیل کئے جائیں عائلی اصلاح میں ذرائع ابلاغ اپنا اپنا اور موٴثر کردار ادا کریں۔ خدانخواستہ اگر فریقین ایک دوسرے پر ظلم و تعدی کا ارتکاب کریں تو مضبوط عدالتی نظام اور سہل عدالتی نظام اس کی دادرسی کے لیے موجود ہو۔ قانون کا کردار انتہائی فعال اور موٴثر ہو اور جہاں ضروری ہو اسلام کی بنیادی روح اور مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے قانون میں ترمیم کی جائے۔

حوالہ جات

1. Muhammad Ali, Maulana, Islamic Law of Marriage and Divorce, The Ahmadiyya Anjuman Ashaat-i-Islam Lahore, P:6

۲۔ الروم۳۰:۳۱

۳۔ النحل۱۶:۸۰

۴۔ النور۲۴:۳۲

۵۔ بخاری، کتاب الطلاق، باب شفاعة النبی فی زوج بریرہ حدیث نمبر:۵۲۸۳

۶۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب الدلیل علی اُمن خصال......حدیث نمبر:۳۵۲۶

۷۔ مسلم، کتاب البر والصلة والاداب، باب تحریم الکذب......حدیث نمبر:۱۶۰۵، ابوداؤد حدیث نمبر:۴۹۲۰، ترمذی حدیث نمبر:۱۹۳۸

۸۔ تقی عثمانی، مولانا، ہمارے عائلی مسائل، ص۱۰

۹۔ النساء۴:۳۴

۱۰۔ البقرہ۲:۱۸۷

۱۱۔ فائزحسن سیال، ہمیشہ ساتھ ساتھ، ایس ون پبلشرز لاہور، ۲۰۰۷ء، ص۱۴

۱۲۔ عمری، جلال الدین، عورت اسلامی معاشرہ میں، اسلامک پبلکیشنز لاہور۱۹۸۶ء ص۱۲

۱۳۔ Alxes carrel, Man, The unknown, London.P. 26

۱۴۔ رچرڈ آئر، لنڈا، گھر ہوتو ایسا (مترجم اعجاز رانا) نشریات لاہور ۲۰۰۷ء، ص۹

۱۵۔ شبیر حسین، روحانی مسرت جسمانی قوت، مکتبہ داستان لمیٹڈ لاہور۱۹۸۱ء، ص۱۴۹

۱۶۔ رچرڈ آئر، گھر ہوتو ایسا ص۲۳۱، ۲۵۲

۱۷۔ جمی کارٹر، امریکہ کا اخلاقی بحران، مترجم محمد احسن بٹ، دارالشعور لاہور ۲۰۰۶ء، ص ۷۵

۱۸۔ جنگ سنڈے میگزین لاہور، یکم جون ۲۰۰۸ء

۱۹۔ The Secret of Family Happiness, The Bible society, Brookin, New York, P.8

۲۰۔ روزنامہ امت لاہور ۴ جنوری ۲۰۰۴ء

۲۱۔ روزنامہ آواز لاہور ۹ جون ۲۰۰۷ء، ص۴، سعودی عرب میں طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح کے اسباب“

۲۲۔ روزنامہ خبریں لاہور، ۲۵ جون ۲۰۰۷ء

۲۳۔ روزنامہ پاکستان لاہور، ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۷ء

۲۴۔ طیبی، محمد یوسف، مسنون شادی، دارالاندلس لاہور ص ۵۷

۲۵۔ سنیئر سول جج لاہور، ۳ مئی ۲۰۰۸ء

۲۶۔ سنیئر سول جج فیصل آباد، ۱۵ مئی ۲۰۰۸ء

۲۷۔ ’’بیوی سے حسنِ سلوک‘‘ ترجمان القرآن، مارچ ۱۹۹۶ء، ص ۵۷

۲۸۔ ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق المراۃ علی زوجھا ح: ۱۱۶۳

۲۹۔ النساء ۴:۱۹

۳۰۔ نعیم صدیقی، مولانا، عورت معرض کشمکش میں، ص ۲۷۵

۳۱۔ روزنامہ آواز لاہور، ۲۶ نومبر ۲۰۰۵ء

۳۲۔ ’’اسلام میں خواتین کا تقدس‘‘ روزنامہ آواز ۱۵ نومبر ۲۰۰۷ء

۳۳۔ روزنامہ آواز لاہور ۲۶ نومبر ۲۰۰۶ء

۳۴۔ جنگ سنڈے میگزین، ۱۳ جنوری ۲۰۰۸ء

۳۵۔ ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب ضرب النساء حدیث نمبر: ۱۹۸۴

۳۶۔ ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فی ضرب النساء حدیث نمبر: ۲۱۴۶

۳۷۔ البقرہ ۲:۲۲۹

۳۸۔ ایضاً

۳۹۔ یہ سروے ماہرین قانون، اساتذہ اور عوام الناس سے اپریل ۲۰۰۸ء میں کیا گیا۔

۴۰۔ زینب الغزالی، مسلمان عورت کا اصل مسئلہ، مترجم منیر احمد خلیلی، حسن البنا اکیڈمی راولپنڈی ۱۹۸۶ء، ص ۹

۴۱۔ صالح بن فوزان، تحفۂ نسواں مترجم ڈاکٹر رضاء اللہ، ادارہ مطبوعات خواتین لاہور، ص ۱۷۴

۴۲۔ فاطمہ مرنیسی، حجاب سے آگے، ص: ۲۹، ۳۰

۴۳۔ ہفت روزہ ندائے ملت ۱۷ اگست ۱۹۹۷ء

۴۴۔ مقالہ ’’۲۰۰ ملیون دولار للمخاطر الانحلال الاخلاقی‘‘، رسالہ الشقائق عدد ۶۸ صفر ۱۴۲۴ھ

۴۵۔ محمد تقی عثمانی، مولانا، ہمارے عائلی مسائل، دارالاشاعت کراچی، ۱۹۶۳ء، ص ۱۱

۴۶۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، حقوق الزوجین، ادارہ ترجمان القرآن لاہور ۱۹۸۹ء، ص ۱۳

۴۷۔ منصوری، محمد طاہر "Family Law in Islam" شریعہ اکیڈمی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد۔ ص ۱۲۷

۴۸۔ کیلانی، عبدالرحمٰن، ایک مجلس کی تین طلاقیں اور اس کا شرعی حل، مکتبہ دارالسلام لاہور ۲۰۰۶ء، ص ۱۰۲

۴۹۔ کیلانی، محمد اقبال، طلاق کے مسائل، حدیث پبلیکیشنز لاہور ۱۹۹۸ء، ص ۲۳

۵۰۔ نعیم صدیقی، عورت معرضِ کشمکش میں، الفیصل ناشران لاہور ۱۹۹۸ء، ص ۲۳۶